(۸۷)

سُورۂ اعلیٰ

مکہ مکرمہ میں نازل ہوا۔ اس میں (۱۹) آیتیں ہیں

ماقبل سورت سے ربط سورۂ طارق میں انسان کی آفرینش کا تفصیلی بیان فرمانے کے بعد نباتات کی پیدایش کی طرف اجمالی طور پر اشارہ فرمایا گیا تھا۔ اس سورت شریفہ میں انسان کی آفرینش کی جانب اجمالی اشارہ فرماتے ہوئے نباتات کی پیدائش کا تفصیلی بیان فرمایا جارہا ہے گویا یہ سورت شریفہ سورۂ طارق کا تکملہ ہے

سورۂ اعلیٰ سے حضور اکرم کی محبت حضرت شاہ ولایت سیدنا علی مرتضی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ فرماتے ہیں:۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحبھا۔ (امام احمدؒ، بزار، ابن مردویہ) حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سورت شریفہ کو بہت چاہتے تھے" اس کا ثبوت روایات ذیل سے ملتا ہے:۔

حضرت ابو تمیمؒ فرماتے ہیں:۔ انہ علیہ الصلاۃ والسلام سمّاھما

افضل المسبّحات ۔ (ابو عبید) حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان دونوں سورتوں (یعنی سورۂ اعلیٰ اور غاشیہ) کو مسبحات (سبعہ) میں سب سے افضل قرار دیا۔" اور اس کا نام افضل المسبّحات رکھا مسبحات وہ سورتیں جن کی ابتدا تسبیح سے ہوئی ہے یہ سات سورتیں ہیں۔ سورۂ اسراء، حدید، حشر، صف، جمعہ، تغابن، اعلیٰ اسی وجہ سے سورۂ اعلیٰ کو سورۂ سَبِّحِ بھی کہتے ہیں۔ افضل ہونے کی ایک وجہ یہ ہو سکتی ہے کہ اس میں تسبیح کا حکم دیا گیا ہے اور امر تسبیح پر مشتمل ہونے کے باوجود یہ سب سے مختصر بھی ہے جس کا پڑھنا آسان تر ہے۔

سورۂ اعلیٰ کی نمازوں میں تلاوت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:—

کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یقرأ فی الوتر فی الرکعۃ الاولی سبّح و فی الثانیۃ قل یآیھا الکافرون وفی الثالثۃ قل ھو اللہ احد والمعوّذتین۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، حاکم بروایت صحیحہ، بیہقی) حضور نبی دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وتر کی پہلی رکعت میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى اور دوسری رکعت میں قل یآ ایھا الکافرون اور تیسری رکعت میں قل ھو اللہ احد اور معوذتین پڑھا کرتے تھے۔" اور حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کہ تیسری رکعت میں صرف سورۂ اخلاص یعنے قل ھو اللہ احد الخ پڑھتے تھے۔" اس کو

ترمذی کے سوا دوسرے مذکورہ محدثین نے بھی روایت کی ہے۔ بہرحال دونوں روایات اپنی جگہ صحیح ہیں۔ مصلی کو اختیار ہے کہ کبھی سورۂ اخلاص اور معوذتین پڑھے اور کبھی صرف سورۂ اخلاص پر اکتفا کرے۔ فقیر کے نزدیک بہتر یہ ہے کہ رمضان شریف میں وتر میں امام کو چاہئے کہ تیسری رکعت میں صرف سورۂ اخلاص پڑھے تاکہ مقتدیوں پر گرانی نہ ہو۔ پھر وتر میں عام طور پر سورتوں کی تخصیص نہیں جو سورتیں یا آیات چاہے پڑھ سکتے ہیں۔ لیکن تبرک اور فضیلت کے مدنظر ان روایات کے مطابق بھی پڑھا کریں۔

سورۂ اعلیٰ کی نماز جمعہ و عیدین میں تلاوت

حضرت نعمان بن بشیرؓ فرماتے ہیں: ۔ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کان یقرأ فی العیدین و یوم الجمعۃ سبح اسم ربک الاعلیٰ وھل اتاک حدیث الغاشیۃ وان وافق یوم الجمعۃ قرأھما جمیعا۔ (ابن ابی شیبہ، امام احمدؒ، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) حضرت رسول رب العالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عیدین میں اور جمعہ کے دن (پہلی رکعت میں) سبح اسم ربک الاعلیٰ اور (دوسری رکعت میں) ھل اتاک حدیث الغاشیۃ پڑھتے تھے۔ اور اگر عید کی نماز جمعہ کے دن آگئی تو دونوں نمازوں میں یہی سورتیں پڑھا کرتے۔"

سورۂ اعلیٰ کی آخری نماز مغرب میں تلاوت

حضرت عبداللہ بن حرثؓ فرماتے ہیں :۔ ان آخر صلاۃ صلّاھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المغرب فقرأ فی الرکعۃ الاولی بسبح اسم ربك الاعلی وفی الثانیۃ بقل یا ایھا الکافرون۔ (طبرانی) آخری نماز جس میں رسول دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امامت فرمائی مغرب کی نماز تھی۔ اس کی پہلی رکعت میں آپ نے سبح اسم ربك الاعلیٰ اور دوسری میں قل یا ایھا الکافرون کی سورتیں تلاوت فرمائیں" مغرب میں چھوٹی چھوٹی سورتیں پڑھنے کا حکم ہے لیکن مقتدیوں پر گراں گزرنے کا اندیشہ نہ ہو تو سورۂ اعلیٰ یا اس سے طویل سورتیں بھی پڑھ سکتے ہیں جیسا کہ بعض روایات میں حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مغرب میں سورۂ والنجم وغیرہ پڑھنا بھی منقول ہے کیونکہ صحابہ کرام آپ سے قرآن سننے کا شوق رکھتے تھے۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔

تسبیحات رکوع وسجود کا ماخذ

حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں :۔ لمّا نزلت فسبّح باسم ربك العظیم قال لنا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم اجعلوھا فی رکوعکم فلمّا نزلت سبّح اسم ربك الاعلی قال اجعلوھا فی سجودکم۔ (امام احمدؒ) جب آیۂ کریمہ فسبّح باسم ربك العظیم نازل ہوئی تو رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہم سے فرمایا کہ اس کو رکوع میں رکھو۔ یعنی بحالت رکوع سبحان

ربی العظیم پڑھا کرو یعنی میں پاکی بیان کرتا ہوں اپنے پروردگار کی جو بڑا ہی باعظمت ہے۔" پھر جب آیہ کریمہ سبح اسم ربك الاعلیٰ نازل ہوئی تو آپ نے ہم کو حکم فرمایا کہ اسکو اپنے سجدہ میں رکھو یعنی سجدے کی حالت میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھا کرو جسکے معنی یہ ہیں کہ میں پاکی بیان کرتا ہوں اپنے آقا و مالک کی جو سب سے بلند تر اور اسکی شان سب سے اعلیٰ ہے۔" ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی موسیٰ بن ایوبؓ سے اس کی روایت کی ہے۔

امرِ سبّح کی تعمیل حضرت سیدنا ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ انّ رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کان اذا قرأ سبّح اسم ربك الاعلیٰ قال سبحان ربّی الاعلیٰ۔ (امام احمدؒ) حضرت رسول اعلیٰ و اکرم صلی اللّٰہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت شریفہ تھی کہ جب سبّح اسم ربك الاعلیٰ کی تلاوت فرماتے (جس میں حکم ہے کہ اپنے رب اعلیٰ کی پاکی بیان کرو) تو فوراً اس کی تعمیل میں فرماتے سبحان ربّی الاعلیٰ میرا پروردگار پاک ہے جو سب سے اعلیٰ تر ہے۔" ابوداؤد شریف میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ حضرت سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللّٰہ تعالیٰ وجہہ اور حضرت ابن عباسؓ کا عمل یہی تھا۔ تلاوت خارج نماز ہو یا نماز نفل ہو تو اس آیہ کریمہ پر سبحان ربّی الاعلیٰ کہہ سکتے ہیں لیکن فرض نماز میں حنفیہ کے نزدیک مقتدیوں کو خاموش رہنا چاہیے۔ دیگر ائمہ کے نزدیک فرض نماز میں بھی اس آیہ کریمہ کو سُن کر سبحان ربی الاعلیٰ کہہ سکتے ہیں۔ ان تمام احادیث شریفہ سے ثابت ہے کہ حضورؐ انور کو یہ سورت شریفہ کس درجہ محبوب و

مرغوب تھی ؟ ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے جو بے حد مہربان نہایت رحم والا ہے ۔

1
2
سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى ۝ الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى ۝ وَالَّذِي
3
4
قَدَّرَ فَهَدَى ۝ وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَى ۝ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَى ۝
5

پاکی بیان کیجئے اپنے پروردگار کے نام کی جو سب سے بلند تر ہے، جس نے پیدا کیا پھر ٹھیک بنایا، اور جس نے اندازہ مقرر کیا پھر راہ بتلائی، اور جس نے نکالا چارا، پھر اس کو کر دیا کوڑا سیاہ ۔

آیات صدر کی تفسیر یعنی اے نبی کریم ! اپنے رب کی پاکی اور عظمت بیان کیا کیجئے جو سب سے بلند تر ہے جس کے سوا کائنات میں اور کوئی بھی اس جیسی عظمت اور رفعت و بلندی والا نہیں ہے ۔ نیز اپنے رب کے نام کی پاکی اور عظمت بیان کیا کیجئے کہ ایسا عظیم الشان و رفیع المرتبت نام اور کسی کا نہیں ہو سکتا ۔ زبان سے اس کی پاکی اور علو شان کا بیان ہو اور دل میں اتنا ہی خشوع اور تذلل پیدا ہو جیسی اس کی شان اعلیٰ ہے اور اعضاء و جوارح پر اس کی عظمت شان و رفعت مکان کے آثار ہویدا ہوں ۔ کفار و مشرکین اپنے معبودان باطل کو لات و عزیٰ وغیرہ ناموں سے

پکارتے ہیں جو ان کے من گھڑت نام ہیں۔ ان کے مقابل آپ اپنے معبود برحق جل جلالہٗ وعم نوالہٗ کو ان اسمائے حسنیٰ سے یاد کیا کیجئے جن سے آپ کو واقف کرادیا گیا ہے۔ اور یہ حکم اپنی امۃ مرحومہ کو سنادیجئے۔ وللّٰہ الاسمآء الحسنیٰ فادعوہ بھا۔ اور اللہ سبحانہ کے اچھے اچھے پاک نام ہیں لہذا تم ان ہی ناموں سے اس کو یاد کرتے رہو" اپنی طرف سے القاب وخطابات نہ دیا کرو۔ کیونکہ تمھارے دئے ہوئے القاب اور خطابات میں وہ جامعیت اور موزونیت نہیں آسکتی جو اس کے شایان شان ہو۔ وذرالذین یلحدون فی اسمآئہ۔ ان لوگوں کو چھوڑدو جو اس کے ناموں میں الحاد و بے دینی کی بنا پر نت نئی تراش سے کام لیتے ہیں" چنانچہ محققین علمائے کرام کی اکثریت اسی طرف ہے کہ اللہ سبحانہ کے اسمائے حسنیٰ توقیفی ہیں جن سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں واقف کرادیا گیا ہے۔ احتیاط بھی اسی میں ہے۔ اگرچہ بعض کے نزدیک یہ بھی جائز ہے کہ نام وہ ہو کہ اس سے پاکی اور عظمت شان ایسی ظاہر ہو کہ اس کا اطلاق اللہ سبحانہ کے سوا اور کسی پر نہ ہوسکے۔ مثلاً وہ اسماء جو سلف صالحین رضوان اللہ علیہم اجمعین وغیرہم اکابر دین سے منقول ہیں۔

الذی خلق کی تفسیر اَلَّذِیۡ خَلَقَ فَسَوّٰی۔ جس نے ساری مخلوقات کو پیدا کیا پھر ہر مخلوق کو اس کی موزونیت و مناسبت کے لحاظ سے اپنی حکمت بالغہ کے مطابق

ٹھیک بنایا" وہ مخلوقات انسان ہوں یا فرشتے یا جن، حیوانات ہوں یا نباتات و جمادات، جواہر ہوں یا اعراض، آسمان ہوں یا زمین، ان کا مقام آسمان و زمین کے درمیان ہو یا آسمانوں کے اوپر یا زمین کے اندر، جن چیزوں کا علم اجمالی یا تفصیلی ہم کو کرایا گیا ہو یا نہ کرایا گیا ہو، ہماری عقل و فہم کی رسائی ان کی حقیقت اور کُنہ تک ہو سکتی ہو یا نہ ہو، ان سب کو اسی خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ نے بنایا اور ہر ایک کو اس کی صلاحیت و استعداد کے اعتبار سے جو کچھ دینا تھا وہ سب کچھ دیا۔

فسوّیٰ کی تفسیر امام ابن جریر طبری لکھتے ہیں:۔ الذی خلق الاشیاء فسوّی خلقھا و عدّلھا۔ جس نے تمام کائنات کو پیدا کیا کہ ہر ایک کی تخلیق اس کے حسب حال کمال اعتدال کے ساتھ عمل میں آئی۔ اس کی آفرینش میں کسی قسم کا تفاوت، خلل، نیچ اونچ نہیں۔ اور نہ کسی کا تصور ہو سکتا ہے کہ اس سے بہتر کوئی صورت گری اور معنی آفرینی ہو سکتی ہے۔ علامہ ابن کثیرؒ لکھتے ہیں: خلق الخلیقۃ وسوّیٰ کلّ مخلوق فی احسن الھیئات۔ اس نے تمام مخلوقات کو جو پیدا ہونے کی قابل تھیں پیدا کیا اور ہر مخلوق کو اس کی مناسب و موزوں بہترین شکل و ہیئت پر پیدا کیا کہ اس سے بہتر کوئی ہیئت متصور نہیں ہو سکتی"۔

قدّر، فھدیٰ کی تفسیر وَالَّذِیْ قَدَّرَ فَھَدٰی۔ اور آپ کا ربّ اعلیٰ وہ ہے

جس نے مخلوقات کو پیدا کرنے سے پیشتر ہر ایک کا ٹھیک اندازہ مقرر فرمایا پھر اس کے مقررہ اندازے کے مطابق عمل پیرا ہونے کی راہ بتائی اور اس کے طور طریقے سمجھا دئے"۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

انّ اللہ قدّر مقادیر الخلائق قبل ان یخلق السماوات والارض بخمسین الف سنۃ وکان عرشہ علی الماء۔ (مسلم شریف) اللہ سبحانہ تعالیٰ نے تمام خلائق کے اندازے آسمانوں اور زمین کو پیدا کرنے سے پچاس ہزار سال پیشتر ہی مقرر فرما دئے"۔ یعنی تمام کائنات کے اجناس، انواع، اصناف، اشخاص، ہر ایک کی مقدار، صفات، افعال، ان کا رزق یعنی ان کے حفظ و بقا کا سامان، اور ہر ایک کی مدت، اپنی مشیت کے مطابق مقرر فرما دی۔ جس سے سرمو تجاوز یا انحراف نہیں ہوسکتا۔ حضرت ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور رحمت عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ کل شیئ بقدر حتّی العجز والکیس۔ ہر چیز تقدیر و اندازے کے مطابق ہے یہاں تک کہ (کسی کام کی قوت و قدرت رکھنا یا اس سے) قاصر و عاجز رہ جانا، اور دانائی و ذکاوت (یا نادانی اور بلادت)"۔ یہ آیہ کریمہ، سورہ طٰہٰ کی آیہ کریمہ ربّنا الذی اعطی کلّ شیئ خلقہ ثمّ ھدیٰ کے ہم معنی ہے کہ ہمارا پروردگار وہ ہے جس نے ہر چیز کو اس کے مناسب حال پیدا کیا پھر اسی مناسبت سے اس کی راہ نمائی فرمائی"۔ سورہ طٰہٰ کی تفسیر

حضرت سید الشیوخ علیہ الرحمہ کے قلم فیض رقم سے گزر چکی ہے۔ وہاں ملاحظہ کر لی جائے۔

اخرج المرعیٰ کی تفسیر وَالَّذِیٓ اَخْرَجَ الْمَرْعٰی۔ اور رب اعلیٰ وہ ہے جس نے (جانوروں کے لئے زمین سے) چارا نکالا۔ جانور گھاس پات کھاتے اور تمہارے کام آتے ہیں۔ کسی پر تم سواری کرتے ہو اور بوجھ لادتے ہو۔ کسی کو زراعتی کاروبار میں لگاتے ہو۔ کسی کا دودھ پیتے ہو اور ان کا گوشت کھاتے ہو۔ اور ان کی نسل سے فائدہ اٹھاتے ہو یہی جانور تمہاری زینت و آرائش کا سامان ہیں۔ جب وہ گھر سے نکل کر صبح کے وقت چرنے کے لئے آبادی سے باہر جاتے اور شام کو گھروں کی طرف واپس آتے ہیں تو ان کو دیکھ کر تمہارا دل باغ باغ ہو جاتا ہے۔ پھر کسی کا شکار کرتے ہو اور اس کو شوق سے کھاتے ہو۔ اگر ان کے لئے چارا اس افراط سے پیدا نہ کیا جاتا تو جانوروں کی زندگی دوبھر ہو جاتی اور یہ ان گنت منافع جو تم کو حاصل ہو رہے ہیں ان سے محرومی رہتی۔ پھر اسی چارے میں جو جانوروں کی غذا ہیں ایسی جڑی بوٹیاں ہیں جو کیمیاوی اثر رکھتی ہیں وہ تمہاری دواؤں میں استعمال کی جاتی ہیں اور اپنے افعال و خواص کے لحاظ سے تم کو بے شمار فوائد حاصل ہوتے ہیں۔ یہ ہے وصف ذاتی ربِّ اعلیٰ کا جس کو سن کر دل چاہتا ہے کہ بے اختیار اُس کے آگے سر بسجود ہوں۔ فرعون نے بھی دعویٰ کیا تھا اور کہا کرتا تھا:۔ انا ربکم الاعلیٰ۔ میں تمہارا آقا ہوں سب سے

بلند تر۔" مگر کوئی غور کرے کہ رب اعلیٰ کے جو اوصاف اوپر گنائے گئے اس کم بخت میں ان میں کا کونسا وصف تھا۔ اس نے کونسی چیز کائنات کی پیدا کی۔ کس کو ٹھیک کیا، کس چیز کی کیا قدر کی، کونسی رہنمائی اس سے ہوئی؟ اللہ سبحانہ نے اس کو مصر کی حکومت دی تو کیا کیا بجز اس کے کہ واضل فرعون قومه وما هدیٰ ۔اور بے شک فرعون نے اپنی قوم کو گمراہی میں ڈال دیا اور خود بھی گمراہ ہوا۔ صحیح رہنمائی کچھ بھی نہ کی خود بھی ڈوبا اور ساری قوم کو لے ڈوبا۔ آج بھی دنیا میں فراعنہ کی کمی نہیں ہے بلکہ ان کا فتنہ، فرعون کے فتنے سے کہیں بڑھا چڑھا ہے۔ اس کا دائرہ اثر صرف ملک مصر تک محدود تھا۔ ان کا اثر عالمگیر ہے۔ مگر ڈرنے کی بات نہیں۔ ہر فرعونے را موسیٰ۔ ع

مردے از غیب بروں آید و کارے بکند ــــ ضرورت اس کی ہے کہ اللہ سے ڈریں اور سب سے نڈر ہو جائیں۔ ارشاد باری ہے: فلا تخافوهم وخافون۔ لہٰذا تم ان سے نہ ڈرو۔ مجھی سے ڈرتے رہو۔" یہ بھی ارشاد ہے: اتخشونهم واللہ احق ان تخشوه ان کنتم مؤمنین ۔ کیا تم ان سے ہیبت کھاتے اور کانپ جاتے ہو؟ حالانکہ اللہ جل جلالہ سب سے زیادہ حق دار ہے کہ تم اس سے ڈرو اور اس کی خشیت اپنے دل میں پیدا کرو اگر تم ایمان والے ہو۔"

فجعله غثاء احویٰ کی تفسیر	فَجَعَلَهٗ غُثَآءً اَحْوٰی ۔ پھر اس نبات کو

(سکھا کر) سیاہ کوڑا بنا دیتا ہے۔ روئے زمین پر جس قدر نباتات ہیں ان کی ابتدا سرسبزی اور شادابی کے ساتھ ہوتی ہے پھر وہ خوب پھلتے پھولتے ہیں۔ درختوں کی تنے، شاخیں، پتے، پھل پھول دیکھ دیکھ کر خوشی اور مسرت ہونے لگتی ہے جی چاہتا ہے کہ ان کو دیکھتے ہی رہیں۔ ان کے سایہ میں دن تمام گزار دیں۔ ان کے پھل پھول سے لطف اندوز ہوتے رہیں۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا کھاتے رہیں ؎

یاد در سایۂ درختانش گسترانید فرش بوقلموں

یہ بہار اللہ سبحانہ ہی کی لائی ہوئی ہے۔ اگر اس کا فضل شامل نہ ہوتا تو ایسا خوشنما منظر اور ایسی خوشگوار گھڑیاں نصیب نہ ہوتیں الحمد للہ ثم الحمد للہ۔ پھر نباتات پر ایک وقت اور آتا ہے کہ پھل پھول غائب۔ اور پتے پیلے پڑ جاتے اور صبح و شام ٹپکتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ برہنہ شاخیں کھڑی رہتی ہیں۔ اور جہاں گھانس پات سے زمین پٹی ہوئی تھی۔ خس و خاشاک بن کر اڑ جاتی اور ساری زمین چٹیل میدان بن جاتی اور ہر طرف سے خاک اڑتی نظر آتی ہے۔ وہی سرسبز گھانس، سیاہ کوڑا بن کر ہوا میں اڑ گئی۔ یا سیلاب میں بہ گئی۔ یہ بھی اللہ سبحانہ کی قدرت کا ایک کرشمہ ہے یہی حال ہر سال مشاہدہ کیا جاتا ہے۔ اس میں بھی ایک سبق ہے کہ انسان اور ساری کائنات ایک دن فنا ہو کر پھر نشأت ثانیہ ہوگی۔ اور دوبارہ انسان و حیوانات

زمین سے زندہ ہوکر نکل آئیں گے۔ بہرحال یہ ہیں صفات آپ کے رب اعلیٰ کی لہذا اسکی تسبیح میں ہردم رطب اللسان رہنا چاہیئے اسی حکم کی تعمیل میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس سورت شریفہ کو نمازوں میں عام طور پر اور جمعہ وعیدین میں خصوصیت کے ساتھ تلاوت فرماتے رہے اور سجدہ کی حالت جو رب اعلیٰ کا قرب ڈھونڈھنے کی حالت خاص ہے اس میں سبحان ربی الاعلیٰ پڑھتے رہے اور آپ کی اتباع میں تمام مسلمان سجدہ میں یہی تسبیح کا ورد رکھتے ہیں۔ وللہ الحمد۔

87-6
87-7 سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنسَىٰٓ ۙ إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُ ۚ إِنَّهُۥ يَعْلَمُ ٱلْجَهْرَ
87-8
87-9 وَمَا يَخْفَىٰ ۝ وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرَىٰ ۝ فَذَكِّرْ إِن نَّفَعَتِ ٱلذِّكْرَىٰ ۝

البتہ ہم پڑھاتے جائیں گے آپ کو، پھر آپ نہ بھولیں گے، مگر وہ جو چاہے اللہ، بے شک وہ جانتا ہے پکارنے کو، اور وہ جو پوشیدہ ہو، اور ہم آہستہ آہستہ پہنچائیں گے آپ کو آسانی تک، لہذا آپ سمجھاتے رہیں اگر فائدہ دے سمجھانا۔"

سنقرئك کی تفسیر یعنی جس طرح جمادات، نباتات، حیوانات، انسان اور ہر شئی کو پیدا کرنے کے بعد ہم اس کی تربیت فرماتے اور بتدریج اس کو درجہ کمال تک پہنچاتے ہیں، ہم آپ کے باوجود امّی ہونے کے پورا قرآن کریم آپ کو پڑھاتے جائیں گے ایسا کہ پھر آپ پڑھے ہوئے کو کبھی بھول نہ سکیں گے۔ اور قرآن کریم کے حفظ کی وہ قوت

آپ کو خصوصیت کے ساتھ عنایت کریں گے کہ ایک دفعہ کا پڑھا دینا عمر بھر کے لئے کافی ہوگا۔ یہ قوت حفظ بھی آپ کے حق میں ایک معجزہ ہے۔ گو دیگر امور میں سہو و نسیان بہ تقاضائے بشریت آپ سے بھی احیاناً صادر ہو سکتا ہے جیسا کہ سجدۂ سہو کے باب میں احادیث شریفہ موجود ہیں لیکن قرآن کریم کی تبلیغ میں ایسا نہیں ہو سکتا کیوں کہ اس کا بطور خاص اہتمام فرمایا گیا ہے۔ مگر قرآن کریم کا وہ حصہ جس کو بھلا دینا ہی ہم کو منظور ہے وہ اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس کو ہم آپ کے ذہن شریف اور حافظہ سے نکال دیں گے اس میں بھی اللہ سبحانہ کی حکمت ہے۔ اور یہ بھی نسخ قرآن کی ایک قسم ہے۔ چنانچہ سورۂ احزاب کے بارے میں احادیث شریفہ میں آیا ہے کہ اول اول یہ سورت شریفہ سورۂ بقرہ کے برابر تھی۔ لیکن اس کا اکثر حصہ ذہن سے نکال دیا گیا' اب نہ اس کی تلاوت باقی ہے اور نہ اس کے احکام ہی باقی رہے ہیں۔ اس سے اللہ سبحانہٗ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کا پتہ چلتا ہے۔

شان نزول سیدنا حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں:۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اذا اتاہ جبریل بالوحی لم یفرغ جبریل من الوحی حتّٰی یزمّل من ثقل الوحی حتی یتکلم النبی صلی اللہ علیہ وسلم باولہ مخافۃ ان یغشی علیہ فینسی فقال لہ جبریل لم تفعل ذلک قال مخافۃ ان انسی فانزل اللہ

سنقرئك فلا تنسىٰ الا ما شاء الله ۔ (طبرانی' ابن مردویہ) حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت مبارک میں جبرئیل علیہ السلام جب وحی لاتے تو ابھی جبرئیل علیہ السلام وحی پہنچانے سے فارغ ہونے بھی نہیں پاتے تھے کہ وحی کے بوجھ اور دباؤ سے آپ چادر اوڑھ لیتے اور آئی ہوئی وحی کو شروع سے پڑھتے جاتے اس اندیشے سے کہ آپ پر اس کے ثقل سے غشی طاری ہو اور کہیں اس کو بھول جائیں ۔ یہ حالت دیکھ کر جبرئیل علیہ السلام نے دریافت کیا کہ آپ ایسا کیوں کرتے ہیں ؟ آپ نے فرمایا اس اندیشے سے کہ کہیں اسکو بھول جاؤں ۔ اس موقع پر اللہ سبحانہ تعالیٰ نے یہ آیہ کریمہ نازل فرمائی :۔ سنقرئك فلا تنسىٰ الا ما شاء الله ۔ البتہ ہم آپ کو ایسا پڑھائیں گے کہ آپ اس کو بھول نہ سکیں گے مگر وہی جس کا بھول جانا اللہ کو منظور ہے "

وحی کو بھلا دینا بھی نسخ ہے

ثم قال له جبريل انه لم ينزل على نبي قبلك الا نسي والا رفع بعضه وذلك ان موسى اهبط الله عليه ثلاثة عشر سفرا فلما القى الالواح انكسرت وكانت من زمرد فذهب اربعة اسفار وبقي تسعة ۔ (طبرانی' ابن مردویہ) پھر جبرئیل علیہ السلام نے آپ سے کہا بات یہ ہے کہ آپ سے پہلے بھی کسی نبی پر وحی الٰہی نازل ہوتی رہی تو ان کو بھی بھلا دیا گیا اور وحی کا کچھ حصہ اٹھا لیا گیا ۔ (حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) چنانچہ موسیٰ علیہ السلام

اللہ سبحانہ نے (۱۳) تیرہ دفاتر اتارے تھے۔ جب انھوں نے الواح کو ڈال دیا (یعنی غصہ کی حالت میں ان کے ہاتھ سے وہ تختیاں چھوٹ گئیں) تو وہ ٹوٹ گئیں۔ وہ تختیاں زمرد کی تھیں (زمین پر گرنے سے ٹوٹ گئیں) جس کے باعث چار تختیاں جاتی رہیں اور صرف (۹) نو تختیاں باقی رہ گئیں" جس میں کتاب توریت شریف لکھی تھی۔ یہ بھی ایک قسم نسخ کی تھی کہ نہ ان چار الواح کی تلاوت باقی رہی اور نہ ان کے احکام جاری رہے۔ یہ حکمت الٰہیہ کے عین مطابق ہے۔

ومایخفی کی تفسیر | اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى۔ بے شک وہ جانتا ہے پکارنے کو اور اس کو جو پوشیدہ ہو" آپ آہستہ کلام کریں یا زور سے۔ سب کچھ اللہ سبحانہ کے احاطۂ علم میں ہے۔ اس سے کوئی چیز چھپی نہیں ہے اور نہ اس کے علم سے باہر ہے۔ وہ سب کو یکساں جانتا ہے۔ حضرت قتادہؒ نے ومایخفی کی تفسیر میں فرمایا:۔ الوسوسة۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن ابی حاتم) یعنی وسوسہ جو دل میں آتا ہے اللہ سبحانہ کو اس کا بھی علم ہے۔ چنانچہ دوسری جگہ سورۂ قٓ میں ارشاد ہوا:۔ ونعلم ما توسوس بہ نفسہ۔ انسان اپنے دل ہی دل میں جو باتیں کرتا ہے ہم اس کو بھی جانتے ہیں" اور حضرت سعیدؒ بن جبیر فرماتے ہیں:۔ ما اخفیت فی نفسك۔ (ابن ابی شیبہ، ابن ابی حاتم) جو باتیں تم اپنے دل میں چھپائے رکھتے ہو وہ بھی سب ہمارے علم میں ہیں"

یسریٰ کی تفسیر وَنُيَسِّرُكَ لِلْيُسْرٰى ۔ "اور ہم آہستہ آہستہ پہنچائیں گے آپ کو آسانی تک "۔ یعنی نہ صرف آپ کو قرآن کریم پڑھا دیں گے اور پختہ یاد دلا دیں گے۔ بلکہ اس کی ہدایات کے مطابق اس پر عمل آوری کی راہیں بھی ہموار کر دیں گے۔ اور ایسی شریعت آپ کو دیں گے جو تمام شریعتوں کے مقابلہ میں اکمل، اشرف اور سب سے آسان تر ہوگی۔ تہذیب نفس ہو یا تدبیر منزل یا سیاست مدن جو علم اخلاق کا خلاصہ ہے اس کو ایسے طریقے سے سمجھا دیں گے کہ اس کو یاد رکھنا دوسروں تک پہنچانا اور وقت پر عمل کرنا آسان ہو جائے' پھر جب یہ منازل طے ہو جائیں تو کامیابی اور منزل مقصود تک رسائی دور نہیں۔ حضرت سیدنا ابن عباسؓ للیسریٰ کی تفسیر میں فرماتے ہیں: ـــ للخیر۔ (ابن ابی حاتم) ہر بھلائی تک ہم آپ کو بسہولت ہم کنار کر دیں گے اور پہنچا دیں گے "۔

ان نفعت کی تفسیر فَذَكِّرْ إِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى ۔ "لہٰذا آپ لوگوں کو سمجھاتے اور اللہ سبحانہٗ کی یاد دلاتے رہیں اگر آپ کی فہمائش اور یاد دہانی نفع پہنچاتی ہو"۔ اس آیہ کریمہ کی تفسیر دو طرح ہے۔ ایک یہ کہ اگر ایک دفعہ کی یاد دہانی ہی نفع بخش ہو تو اسی ایک دفعہ کی تذکیر پر اکتفا فرمائیے۔ اور اگر یہ صورت ایک دفعہ کی تذکیر کی مفید نہ ہو تو تذکیر کا سلسلہ جاری رکھئے۔ تا آنکہ اس کی افادیت ظاہر ہو جائے۔ تذکیر کا فائدہ فرو

ظاہر ہوگا۔ جیسا کہ سورۂ ذاریات کی تفسیر میں گزر چکا: وذکر فان الذکریٰ تنفع المؤمنین۔ اور یاددہانی کئے جائیے کیونکہ یاددہانی ایمان والوں کو بے شک نفع دیتی ہے۔" دوسرے اس سے نفع نہ اٹھائیں تو یہ ان کی کم قسمتی ہے۔

دوسری تفسیر دوسری تفسیر یہ ہے کہ اگر نصیحت فائدہ بخش ہو تو نصیحت کیا کیجئے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر نصیحت سودمند نہ ہو بلکہ ایسے لوگوں سے پاس ہو کہ ان کو جتنی بھی نصیحت کی جائے وہ اپنی عادت سے باز نہیں آئیں گے۔ تو ایسوں کے پیچھے وقت ضائع نہ کیجئے اور خود کو خواہ مخواہ محنت میں نہ ڈالئے۔ جیسا کہ سورۂ نوح کی تفسیر میں گزر چکا: وانی کلما دعوتھم لتغفر لھم جعلوا اصابعھم فی آذانھم واستغشوا ثیابھم واصروا واستکبروا استکبارا۔ اور (نوح علیہ السلام نے کہا اے میرے پروردگار!) میں نے جب کبھی ان لوگوں کو دعوت دی تاکہ آپ کی مغفرت ان کے شامل حال ہو تو ان لوگوں نے کانوں میں اپنی انگلیاں دے لیں اور جسم پر پھر کر کپڑے اوڑھ لئے (تاکہ میری آواز ان تک نہ پہنچے) اور اسی حالت پر اڑے رہے اور بڑا ہی تکبر اختیار کیا۔" اسی بنا پر فقہائے کرام نے فرمایا ہے کہ جہاں ایسی صورت حال ہو کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر غیر مؤثر پایا جائے بلکہ اس کا الٹا اثر ظاہر ہو تو وہاں نصیحت واجب نہیں جب تک کہ صورت حال بدل نہ جائے۔

ایک اور تفسیر ایک قول یہ ہے کہ ان نفعت الذکریٰ کے بعد او لم تنفع محذوف ہے۔ اس اعتبار سے آیۂ کریمہ کے معنی یہ ہوں گے کہ اگر نصیحت نفع دے تو نصیحت کیجئے یا نصیحت نفع نہ دے تب بھی نصیحت کردیا کیجئے "۔ اس سے مخالفین پر اتمام حجت ہوجائے گا۔ اور ماننے والوں کو نصیحت کا فائدہ پہنچے گا۔ ناصح کا کام نصیحت کردینا ہے خواہ کوئی مانے یا نہ مانے۔ کوئی حق پسند ہوگا تو مان لے گا اور اس کو نصیحت نفع دیگی اور کوئی باطل پرست ہوگا تو وہ نہ مانے گا نصیحت اس کے حق میں مفید نہ ہوگی مگر اس پر حجت تمام ہوجائے گی۔ اور بہت ممکن ہے کہ وہ دل میں قائل ہوجائے گا اگرچہ اس وقت ضد اور ہٹ کی وجہ سے اس کا اقرار نہ کرتا ہو۔ قرآن کریم میں ایسا حذف آیا ہے جیسا کہ سورۂ نحل میں ہے :۔ سرابیل تقیکم الحر۔ ارشادِ الٰہی ہو رہا ہے کہ ہم نے تم کو کرتے بنا کر پہننے کا طریقہ بتادیا ہے جو تم کو گرمی سے بچاتے ہیں "۔ یہاں والبرد محذوف ہے۔ یعنی وہ کرتے سردی سے بچاؤ کا بھی سامان ہیں۔ کلام فصحا میں ایسا ہوتا ہے کہ ایک چیز کا ذکر کرکے اس کی ضد کو بیان نہیں کرتے مگر متکلم کی مراد ایک شیئ اور اس کی ضد دونوں سے ہوتی ہے۔ ان نفعت الذکریٰ میں بھی او لم تنفع محذوف ہے۔ یعنی نصیحت سود مند ہو یا نہ ہو ہر حال میں نصیحت جاری رکھئے۔

رہا یہ امر کہ نصیحت کس کے حق میں مفید ہوتی ہے اور کس پر کارگر نہیں ہوتی اس کا بیان آگے آرہا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہو رہا ہے :۔

7-1 سَيَذَّكَّرُ مَنْ يَّخْشٰى ۝ وَيَتَجَنَّبُهَا الْاَشْقَى ۝ الَّذِىْ يَصْلَى
7-1 النَّارَ الْكُبْرٰى ۝ ثُمَّ لَا يَمُوْتُ فِيْهَا وَلَا يَحْيٰى ۝ جلد نصیحت مان
7-1 لیگا جو ہیبت رکھتا ہے، اور اس سے کنارہ کریگا وہی جو بڑا بدبخت ہے، جو داخل ہوگا
7-1 سب سے بڑی آگ میں، پھر نہ مریگا اس میں اور نہ زندہ رہیگا"

آیات کریمہ کی تفسیر یعنی جس کے دل میں عظمت الٰہی کا سکہ جما ہوا ہے اور وہ اللہ سبحانہ کی جناب میں پیش ہونے اور اپنے اعمال کی جواب دہی کرنے کا یقین رکھتا ہے چونکہ اس کا دل ہیبت الٰہی سے کانپتا رہتا ہے وہی نصیحت کو جلد مان لیگا اور اس کے عمل پیرا ہوگا۔ رہا وہ جو بڑا ہی بدبخت ہے وہ نصیحت کو ماننے سے دور ہی رہے گا اور نصیحت کی مجالس سے کنارہ کش رہا کریگا۔ تاکہ نہ نصیحت کی بات سننے پائے اور نہ اس کے عمل پیرا ہونے کی نوبت آئے۔ کیونکہ اس کے دل میں اللہ سبحانہ کی عظمت و جلال کو کچھ دخل ہی نہیں اور اس کو مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہونے اور جواب دہی کیلئے بارگاہ الٰہی میں حاضر ہونے کا یقین ہی نہیں۔ پھر اس کے نصیحت پذیر ہونے کی کیا توقع ہو سکتی ہے۔ ایسے لوگوں کو سب سے بڑی آگ میں داخل ہونا پڑے گا۔ جس میں داخل ہونیکے بعد

ان کا شمار نہ زندوں میں رہیگا اور نہ مردوں میں۔ پس اسی حالت میں ان کو ابدالآباد پڑے رہنا ہوگا۔ العیاذ باللہ۔

من یخشیٰ اور الاشقیٰ کے مصداق

ایک روایت میں ہے کہ من یخشیٰ سے حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ تعالیٰ عنہ مراد ہیں۔ اور الاشقیٰ سے مشہور کافر ولید بن مغیرہ مراد ہے یعنی یہ ان آیات کے مصداق ہیں۔ واللہ اعلم۔

البتہ ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ایک واقعہ پیش آیا کہ ایک انصاری صحابی کا مکان ایک شخص کے گھر کے بازو تھا جس میں کھجور کا ایک درخت تھا جو انصاری کے مکان کی طرف جھکا ہوا تھا۔ اس کا ثمرہ ہوا سے ٹوٹ کر انصاری کے مکان میں گرا تو انھوں نے بارگاہ رسالت پناہی میں اس واقعہ کو عرض کیا۔ حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس شخص کو بلا کر فرمایا کہ تم اپنا درخت انصاری کو دے دو۔ ہم تم کو اس کے بدلے جنت میں ایک درخت خرما دلا دیں گے۔ یہ سنتے ہی اس نے کہا:۔ ابیع عاجلی باٰجل؟ لا افعل کیا میں نقد کو ادھار کے بدلے میں فروخت کردوں؟ میں تو ایسا نہیں کروں گا"۔ یہ شخص خود کو مسلمان کہا کرتا تھا۔ اس واقعہ سے پتہ چل گیا کہ یہ منافق تھا۔ اس موقع پر سیدنا عثمانؓ نے اپنا ایک باغ ہی انصاری کو بخش دیا جس میں کئی درخت خرما تھے رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔

عہد نبوی کا ایک اور واقعہ

ایسا ہی ایک اور واقعہ درپیش ہوا کہ ایک شخص نے

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی کام کر دیا جب کہ آپ مدینے سے باہر تھے حضور انور نے اس سے فرمایا کہ تم مدینے میں ہم سے ملنا۔ چنانچہ وہ حاضر خدمت ہوا۔ آپ نے فرمایا:۔

ایما احب الیک ثمانون من الضائن او ادعوا اللہ ان یجعلک معی فی الجنۃ۔ دو باتوں میں سے تجھے کونسی بات پسند ہے؟ اسی بھیڑ تمہیں دیدیں یا یہ کہ میں تمہارے لئے اللہ سبحانہ سے دعا کروں کہ تم میرے ساتھ جنت میں رہو؟ تو اس شخص نے کہا:۔ بل ثمانون من الضائن۔ نہیں بلکہ اسی بھیڑی مجھے مطلوب ہیں۔" یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا:۔ اعطوہ ایاھا۔ اسی بھیڑیں اس کو دے دو۔" پھر آپ نے فرمایا:۔ ان صاحبۃ موسیٰ کانت اعقل منک۔ موسیٰ علیہ السلام کی صحابیہ تم سے زیادہ عقلمند تھی۔" وہ واقعہ یوں ہے کہ ایک ضعیفہ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حضرت یوسف علیہ السلام کے مزار کی نشاندہی کی تھی (جبکہ حضرت موسیٰ حضرت یوسف علیہما السلام کی نعش مبارک کو آپ کی وصیت کی بنا پر مصر سے بیت المقدس منتقل فرمانا چاہتے تھے) مزار شریف دریافت ہونے پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بڑھیا سے فرمایا تھا:۔

ایما احب الیک اسأل اللہ ان تکونی معی فی الجنۃ او مائۃ من الغنم قالت الجنۃ۔ دو باتوں میں تم کونسی بات زیادہ پسند کرتی ہو؟ میں اللہ سبحانہ سے درخواست کروں کہ تم میرے ساتھ جنت میں رہو۔ یا اس کے صلے میں تم کو سو بکریاں دیدی جائیں؟

تو اس بڑھیا نے کہا تھا کہ میں تو جنت میں جانا چاہتی ہوں ۔"

شان مومن مومن کی شان یہی ہوتی ہے کہ وہ دنیا پر آخرت کو ترجیح دیتا ہے۔ کیونکہ دنیا دوروزہ ہے وہ کسی طرح ختم ہی ہو جائے گی۔ اور دنیا کے ساتھ اس کے سارے ٹھاٹ ختم ہو کر رہیں گے۔ رہی آخرت وہ ابدالآباد ہے۔ کبھی اس کی انتہا ہی نہیں۔ اور مومن کے پیش نظر آخرت ہی رہتی ہے۔ خصوصاً ایسی حالت میں کہ کبھی دونوں کا مقابلہ ٹھہر جائے تو آخرت ہی لائق ترجیح ہے۔ عارف رومیؒ فرماتے ہیں :-

ہر کہ بیند مر عطا را صد عوض زود در یاز د عطا را زیں غرض

آرزوئے گل بود گل خوارہ را گل شکر نگوارد آں بیچارہ را

مگر کفار کو آخرت کا یقین نہیں اس لئے دنیا ہی ان کے پیش نظر رہتی ہے۔ وہ اپنی تمام عمر اسی دنیائے ناپائدار کے پیچھے گزار دیتے ہیں اور اسی حالت میں ان کا وقت آخر آپہنچتا ہے۔ فردائے قیامت جب وہ اٹھیں گے تو کف افسوس ملتے رہیں گے لیکن ان کا یہ افسوس بعد از وقت ہوگا اور کچھ فائدہ نہ دیگا۔ ان کے آگے سب سے بڑی آگ ہوگی وہ اس میں جا داخل ہوں گے ایسے کہ پھر کبھی اس سے خلاصی نہ ہو سکیگی وہاں ایسی حالت ہوگی کہ نہ ان کا شمار مردوں میں اور نہ زندوں میں۔

لا یموت فیہا ولا یحییٰ کی تفسیر حضرت ابو سعید خدریؓ فرماتے ہیں کہ

حضرت ختم المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے فرمایا:۔ اما اھل النار الذین ھم اھلھا فانھم لا یموتون فیھا ولا یحیون ولکن ناس اصابتھم النار بذنوبھم او قال بخطایاھم فاماتھم اللہ تعالی اماتۃ حتی اذا کانوا فحما اذن فی الشفاعۃ فجیئ بھم ضبائر ضبائر فبثوا علی انھار الجنۃ ثم قیل یا اھل الجنۃ افیضوا علیھم من الماء فینبتون نبات الحبۃ فی حمیل السیل۔ (مسلم شریف) رہے اہل نار جو اسی میں رہنے والے ہیں وہ نہ تو اس میں مرتے پائیں گے اور نہ زندہ رہیں گے لیکن کچھ لوگ ہوں گے جن کو ان کے گناہوں یا خطاؤں کی بنا پر آگ چھو جائے گی ان کو اللہ سبحانہ موت کی ایک صورت دے دیگا۔ تا آنکہ وہ کوئلہ ہو جائیں گے تو ان کی شفاعت کی اجازت صادر ہوگی۔ پھر ان کو گروہ گروہ کر کے لایا جائے گا اور جنت کی نہروں پر پھیلا دیا جائے گا پھر جنتی لوگوں سے کہا جائیگا کہ ان کے لئے نہر کا کچھ پانی چھوڑ دیں (جب وہ پانی ان پر چھوڑا جائے گا تو) پانی کی لوٹ میں دانے اور تخم جو بہتے ہوئے آکر نہر کے کناروں پر جس طرح اوگتے ہیں ایسے ہی یہ سزا یافتہ گنہگار بھی از سرنو اوگتے جائیں گے" اور پورے انسان بن کر کھڑے ہو جائیں گے۔

ادنی جنتی کی شان | حضرت ابوہریرہؓ کی مرفوع حدیث میں اس سے زیادہ وضاحت ہے کہ

انّ ادنیٰ اهل الجنۃ حظاً او نصیباً قوم یخرجهم اللہ تعالیٰ من النار فیرتاح لهم الربّ تبارك وتعالیٰ وذلك انّهم کانوا لا یشرکون باللہ تعالیٰ شیئاً فینبذون بالصحراء فینبتون کما ینبت البقل حتی اذا دخلت الارواح اجسادهم فیقولون ربّنا کما اخرجتنا من النار وارجعت الارواح الی اجسادنا فاصرف وجوهنا عن النار فیصرف وجوههم عن النار (بزار)

جنتی لوگوں میں سب سے کم نصیب وہ لوگ ہوں گے جن کو اللہ سبحانہ تعالیٰ دوزخ سے باہر نکال لائے گا اور ان کی راحت کا سامان فرمائے گا۔ یہ وہ لوگ ہوں گے جنہوں نے اللہ سبحانہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں ٹھہرایا تھا۔ یہ لوگ انہار جنت کے کنارے ڈال دیے جائیں گے۔ پھر (ان کو جیسا جیسا جنتی نہروں کا پانی پہنچتا جائے گا) وہ از سر نو اوگتے جائیں گے جیسی بھاجی ترکاری سبزی اوگتی ہے۔ تا آنکہ جب ان کے جسد میں روح داخل ہوگی تو وہ عرض کریں گے۔ پروردگارا! جیساکہ آپ نے ہم کو آگ سے باہر نکالا اور ہمارے جسم میں جان کو داخل کیا۔ ہمارے چہروں کو بھی دوزخ کی طرف سے پھیر دیجئے۔ اس پر ان کے چہرے دوزخ کی طرف سے پھیر دیے جائیں گے۔"

مومن عاصی کی سزا ان احادیث شریفہ سے معلوم ہوا کہ گنہگار مومنین

دوزخ میں ڈالے بھی گئے تو فوراً وہ جل کر کوئلہ ہو جائیں گے۔ نار دوزخ کا احساس باقی نہ رہے گا۔ اور اسی حالت میں ایک عرصہ تک جو اللہ سبحانہ کو منظور رہے دوزخ میں پڑے رہیں گے۔ پھر ان کو وہاں سے نکال کر حیات نو بخشی جائے گی۔ یہ بھی اللہ سبحانہ کا اہل ایمان پر بڑا کرم ہے کہ مومن دوزخ میں داخل بھی کیا گیا تو اس کے حق میں دوزخ کی تکلیف محض ایک آنی بات ہوگی یہ حال ادنیٰ جنتی کا ہے۔ ؎

شکر نعمت ہائے تو چندانکہ نعمت ہائے تو

عذر تقصیرات ما چندانکہ تقصیرات ما

7-14
7-15
بے شک 14. قَدْ أَفْلَحَ مَنْ تَزَكَّى 15. وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهِ فَصَلَّى

کامیاب رہا وہ جو پاک ہوا، اور لیا نام اپنے پروردگار کا پھر نماز پڑھی"۔

نفوس زکیہ کی شان آیۂ سابقہ وَيَتَجَنَّبُهَا الْأَشْقَى میں اللہ سبحانہ کے ذکر سے کنارہ کشی کرنے والوں کی بدحالی اور بُرے انجام کا بیان ہوا تھا۔ اس کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا تھا کہ جو لوگ اللہ سبحانہ کی یاد میں لگے رہتے اور اس کی نصیحت کو مانتے ہیں ان کے لئے کیا ہے؟ تو اس کا جواب دیا جا رہا ہے کہ جو کوئی پاک ہوا اور اپنے پروردگار کا نام لیا، پھر اس کی عبادت کی یعنی نماز پڑھی۔ وہ اپنی مراد کو پہنچا اور اپنے مقصد میں کامیاب رہا۔ دنیا میں آنے سے مومن کا مطمح نظر آخرت کی کامیابی اور نجات ہے۔ یہ مقصد اس کو یقیناً حاصل ہو کر رہا۔ اور ظاہر ہے کہ اسکی دنیا بھی سنور کر رہی۔ بہرحال مومن کو چاہیئے کہ ہمیشہ آخرت کی نجات اور کامیابی کا دلدادہ رہے۔ اور ہر کام آخرت کے لئے کرتا رہے۔ رہی دنیا وہ خود بخود درست ہو جائے گی۔

تزکیہ کے اقسام اس اعتبار سے تَزَكّٰی کی تفسیر یہ ہوئی کہ طہارت۔ جو صحت نماز کی شرط ہے۔ طہارت بدن، اور طہارت جامہ اور طہارت مقام نجاست حقیقی (غلیظہ و خفیفہ) سے۔ اور وضو و غسل یا تیمم نجاست حکمی سے پاک ہونے کے لئے، اور اس سے پیشتر

طہارت باطن شرک وکفر سے، اور طہارت نفس نکمے اور رذیل اخلاق سے، اور طہارت جوارح توبہ کے ذریعہ گناہوں کے خبث اور آلودگی سے، اور طہارت قلب اللہ کے ذکر سے اور ماسوی اللہ کے ذکر سے دل کو فارغ رکھنے سے ہے۔ لہٰذا مومن کو اس کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ اور جب یہ حاصل ہو تو اس کی کامیابی میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟

عقائد کا تزکیہ حضرت جابر بن عبداللہ انصاریؓ فرماتے ہیں کہ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ قد افلح من تزکّیٰ قال من شھد ان لا الٰہ الا اللہ وخلع الانداد، وشھد انی رسول اللہ و ذکر اسم ربہ فصلّی قال ھی الصلوٰت الخمس والمحافظۃ علیھا والاھتمام بمواقیتھا۔ (بزار، ابن مردویہ) قد افلح من تزکّیٰ کی تفسیر میں یہ ارشاد فرمایا۔ جس نے یہ گواہی دی کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور شرک اور شرکاء کو دل سے نکال پھینکا اور یہ بھی گواہی دی کہ میں اللہ کا رسول ہوں اور ذکر اسم ربہ فصلّی کی تفسیر میں فرمایا کہ صلّی سے پانچوں نمازیں مراد ہیں اور ان کی پابندی کرنی، اور ان کو اپنے وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرنا"۔ حضرت ابن عباسؓ سے بھی صلّی کی تفسیر الصلوات الخمس یعنی پنجگانہ نمازیں" مروی ہے۔ یہ شرک اور کفر سے پاکی ہوئی۔ اس بارے میں اور بھی روایات ہیں جو حضرت قتادہؒ عکرمہ وغیرہا سے مروی ہیں

اعمال کا تزکیہ حضرت عطاء بن ابی رباحؒ فرماتے ہیں:۔ من اکثر الاستغفار۔

(ابن ابی حاتم) من تزکّی سے وہ شخص مراد ہے جو کثرت سے توبہ و استغفار کرتا رہتا ہو۔" یہ گناہوں اور معاصی سے پاکی ہوئی۔ اور حضرت قتادہؓ فرماتے ہیں:۔ قد افلح من تزکّی قال بعمل صالح۔ (عبدالرزاق، عبد بن حمید، ابن ابی حاتم) تزکّی سے مراد یہ ہے کہ نیک عمل کرتا رہا۔" یعنی برے کام سے بچتا رہا اور اچھے کام کرتا رہا۔ یہ بھی فرمایا:۔ یعمل ورعا۔ (ابن جریر) جو تقویٰ اور ورع سے کام لیتا ہو۔" اور حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں:۔ من کان عملہ زاکیا۔ (ابن جریر) جس کے عمل پاکیزہ، نیک صاف ستھرے ہوں۔" یہ نفس کی پاکی اور قلب کی پاکی، اور جوارح کی پاکی ہوئی۔

اموال کا تزکیہ حضرت ابوسعید خدریؓ فرماتے ہیں:۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول قد افلح من تزکّی وذکر اسم ربہ فصلّی ثم یقسم الفطرۃ قبل ان یغدو الی المصلی یوم الفطر (ابن مردویہ) حضرت سید المرسلین صلوات اللہ وسلامہ علیہ وعلیہم اجمعین کی عادت شریفہ تھی کہ عید الفطر کے دن، ان آیات کریمہ کی تلاوت فرماتے پھر عید گاہ روانہ ہونے سے پہلے صدقہ فطر ادا فرماتے۔" حضرت عمرو بن عوفؓ حضرت سید الانبیاء علیہ التحیۃ والثناء سے روایت کرتے ہیں:۔ انہ کان یأمر بزکاۃ الفطر قبل ان یصلی صلاۃ العید ویتلو ھذہ الآیۃ۔ (بزار، ابن المنذر، ابن ابی حاتم، حاکم، ابن مردویہ، بیہقی) حضور انورؐ عید الفطر کی نماز سے پہلے حکم

فرمایا کرتے تھے کہ زکاۃ فطر ادا کیا کریں اور اس آیہ کریمہ کو تلاوت فرماتے۔" حضرت عمرو بن عوفؓ سے یہ بھی مروی ہے:۔ سئل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن زکاۃ الفطر قال قد افلح من تزکی فقال ھی زکاۃ الفطر (ر) حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زکاۃ فطر کے بارے میں مسئلہ دریافت کیا گیا تو آپ نے قد افلح من تزکّی کی تلاوت فرمائی پھر فرمایا کہ زکاۃ فطر یہی ہے۔" حضرات ابو سعید خدری، ابن عمرؓ، واثلہ بن الاسقعؓ ابو العالیہ، عطاء بن یسار، رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے۔ یہ مال کی پاکی ہوئی جس سے غذا اور دوسری تمام چیزوں کی پاکی حاصل ہوتی ہے اور اسی سے تزکیۂ نفس اور صفائے قلب و روح مربوط ہے۔ اسی بنا پر تمام فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ صدقہ فطر عید الفطر کے دن عیدگاہ کو جانے سے پہلے ادا کرنا مستحب ہے۔ تاکہ فقراء و مساکین کو عید کے دن مانگنے پھرنے کی حاجت نہ رہے اور سب اس دن کھا پی کر شکم سیر ہو کر عیدگاہ جا سکیں اور اس طرح سبھوں کی عید ہو۔

زکاۃ و صدقات بھی تزکیہ ہیں

حضرت عطاء فرماتے ہیں:۔ قلت لابن عباس رضی اللہ عنھما ارأیت قولہ قد افلح من تزکّی للفطر قال لم اسمع بذلك ولكن للزكاة كلها ثم عاودته فيها فقال لی والصدقات كلها۔ (ابن ابی حاتم) میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے پوچھا کہ

آیۂ کریمہ قد افلح من تزکّی کیا صدقۂ فطر ہی کے باب میں نازل ہوئی ہے؟ تو آپ نے فرمایا میں نے ایسا انحصار کسی سے نہیں سنا بلکہ ہر قسم کے تزکیہ وطہارت کے لئے ہے میں نے پھر آپ سے پوچھا تو اس پر بھی یہی فرمایا (کہ صدقہ فطر میں منحصر نہیں بلکہ) جملہ صدقات مراد ہیں" یعنی ہر طرح کے تزکیہ کے لئے عام ہے۔ صدقہ فطر ہی کی تخصیص نہیں۔

احناف سے خطاب چنانچہ حضرت ابوحنیفہ امام اعظم رضی اللہ عنہ نے آیۂ کریمہ وذکر اسم ربہ فصلّی سے حسب ذیل دو مسئلے اور استنباط فرمائے۔ ایک یہ کہ تحریمہ کے لئے کلمۂ اللہ اکبر خاص طور پر کہنا شرط نہیں بلکہ اللہ سبحانہ کے ہر نام سے نماز شروع کی جا سکتی ہے جس سے اللہ سبحانہ کی عظمت وجلال ظاہر ہو اور اپنی حاجت یا کسی غرض پر مشتمل نہ ہو۔ کیونکہ وذکر اسم ربہ سے یہی نکلتا ہے کہ اپنے پروردگار کا نام لے" اور اللہ سبحانہ کا نام لے کر نماز شروع کرے۔ مثلاً اللہ اجلّ اللہ اعظم الرحمٰن اکبر لا الٰہ الا اللہ، تبارک اللہ وغیرہ۔ اللہ اکبر کی تخصیص نہیں۔ ہاں اللہ اکبر کہہ کر نماز شروع کرنا واجب ضرور ہے کیونکہ احادیث شریفہ سے ثابت ہے اور حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل مبارک بھی ہمیشہ یہی رہا ہے۔ دوسرا مسئلہ یہ کہ تحریمۂ نماز کا داخلی فرض یعنی رکن نہیں بلکہ بیرونی فرض یعنی شرط نماز ہے۔ کیونکہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:۔ وذکر اسم ربہ فصلّی۔ اور اپنے

پروردگار کا نام لیا، پھر نماز پڑھی"۔ اور فاء تعقیب کے لئے ہے جو حرف عطف ہے نیز معطوف علیہ اور معطوف میں مغائرت ہوتی ہے اس سے معلوم ہوا کہ تکبیر تحریمہ جزو نماز نہیں بلکہ نماز اس کے بعد شروع ہو رہی ہے۔ واللہ اعلم۔

قرآن کریم کی جامعیت وجاذبیت

غور کیجیے کہ قرآن کریم کی ایک ایک آیت، ایک ایک کلمہ بلکہ ایک ایک حرف اپنے اندر کیسی جامعیت کیسی کشش اور جاذبیت رکھتا ہے؟ سبحانہٗ اعظم شانہٗ۔ چنانچہ من تزکّٰی میں تزکیۂ قلب ونفس اور تصحیح عقیدہ کی طرف اشارہ ہے اور ذکر اسم ربہ میں ذکر لسانی وقلبی کی طرف ایما ہے کیونکہ ذکر قلبی کے بغیر ذکر لسانی کی کوئی قدر وقیمت نہیں۔ اور فصلّٰی میں اعضائے ظاہری وجوارح کے اعمال کی طرف رہبری ہے۔ بہر حال جب استحضار قلبی، اور اقرار لسانی اور اعمال جوارح سبھی حکم الٰہی کے مطابق جاری ہوں تو تصدیق بالجنان واقرار باللسان وعمل بالارکان یہ تینوں چیزیں حاصل ہو گئیں فوز وفلاح آخرت میں کیا کلام ہو سکتا ہے؟

16
17
بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا ۝ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى ۝

بلکہ تم مقدم رکھتے ہو دنیا کے جینے کو، اور پچھلا گھر بہتر ہے اور باقی رہنے والا"۔

امت محمدیہ سے خطاب

حضرت عکرمہؓ فرماتے ہیں:۔ یعنی هذه الامّة

وانکم ستؤثرون الحیاۃ الدنیا (عبدبن حمید، ابن المنذر، ابن ابی حاتم) یہی امتِ مرحومہ مسلمہ مراد ہے کہ تم اے مسلمانو! بہت جلد دنیوی زندگی کو اختیار کروگے اور اس کو آخرت پر ترجیح دوگے۔ حالانکہ دنیا ذلیل اور فانی ہے اور آخرت شاندار اور پائدار ہے"۔ یہ بھی قرآن کریم کی پیشین گوئی اور معجزہ ہے کہ جو صورت آئندہ رونما ہونے والی ہے اس کی خبر پیشتر ہی دے دی گئی۔ اور یہ پیشین گوئی حرف بہ حرف صادق آئی۔ چنانچہ حضرت عرفجہ ثقفی فرماتے ہیں:۔ استقرأت ابن مسعود سبح اسم ربک الاعلیٰ فلما بلغ بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا ترک القراءۃ واقبل علی اصحابہ فقال آثرنا الدنیا علی الآخرۃ فسکت القوم فقال آثرنا الدنیا لانا رأینا زینتھا ونساءھا وطعامھا و شرابھا وزویت عنا الآخرۃ فاخترنا ھذا العاجل وترکنا الآجل (ابن جریر، ابن المنذر، طبرانی، بیہقی) حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے میں نے سبح اسم ربک الاعلیٰ کے پڑھنے کی استدعا کی۔ (آپ نے اس کو پڑھنا شروع کیا) جب آپ آیہ کریمہ بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا پر پہنچے تو قرارت چھوڑ کر اپنے شاگردوں کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا کہ ہم نے دنیا کو آخرت پر ترجیح دی۔ یہ سنتے ہی لوگوں پر سناٹا چھا گیا۔ پھر فرمایا ہم نے دنیا کو اختیار کیا کیوں کہ ہم نے

اس کی زینت اور خوب صورتی اس کی عورتوں اور کھانے پینے پر نظر رکھی۔ اور ہم سے آخرت سمٹ کر رہ گئی۔ بہرحال ہم نے جلد ملنے والی چیز کو اختیار کیا اور دیر سے ہاتھ آنے والی چیز کو چھوڑ دیا۔" حضرت قتادہ فرماتے ہیں:۔ اختار الناس العاجلة الا من عصم اللہ والآخرۃ خیر فی الخیر وابقی فی البقاء۔ (عبد بن حمید ابن جریر، ابن ابی حاتم) لوگوں نے جلد ہاتھ آنے والی چیز کو اختیار کر لیا مگر جس کو اللہ نے اس سے بچائے رکھا۔ درحالیکہ آخرت خیر و رخیر ہے اور باقی رہنے والی چیزوں میں سب سے زیادہ پائدار ہے۔"

دنیا و آخرت باہم اضداد ہیں

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ حضور سید الرسل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:۔ من احب دنیاہ اضر باٰخرته ومن احب آخرته اضر بدنیاہ فآثروا ما یبقی علی ما یفنیٰ (امام احمدؒ) جس نے اپنی دنیا کو محبوب جانا تو اپنی آخرت کو ضرر پہنچایا۔ اور جس نے اپنی آخرت کو محبوب رکھا وہ اپنی دنیا کو متضرر کیا۔ لہذا جو پائدار ہے اس کو اختیار کرو مقابلے میں اس چیز کے جو فانی ہے۔" یہاں صاف صاف بتا دیا جا رہا ہے کہ ایک دل میں دو محبتیں سما نہیں سکتیں۔ اگر دار آخرت سے محبت ہے تو دنیا کی محبت سے دل کو خالی کر لینا ہوگا۔ اور اگر دنیا کی محبت ہی کو دل میں جاگزیں کیا جاتا ہے تو

آخرت متصور ہو گی۔ یہ نہیں ہو سکتا کہ دنیا سے بھی محبت قائم رہے اور آخرت سے بھی تو دل میں اس کی گنجایش نہیں ہے۔ اسی لیۓ عارف رومیؒ نے فرمایا ؎

ہم خدا خواہی و ہم دنیائے دوں   ایں خیال است و محال است و جنوں

دنیادار کی مذمت حضرت ام المومنین سیدتنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ الدنیا دار من لا دار له ومال من لا مال له ولها یجمع من لا عقل له۔ دنیا ٹھکانا اس کا ہے جس کا کوئی ٹھکانا نہیں، اور سرمایہ اس کا ہے جس کا کوئی سرمایہ نہیں۔ اور دنیا کے لئے جتن کر کر کے وہ رکھتا ہے جس کو کچھ بھی عقل نہیں۔" آخرت کا یقین مومن کا بنیادی عقیدہ ہے۔ جس کو آخرت پر یعنی مرنے کے بعد دوبارہ زندہ ہو کر اٹھنے کا یقین نہ ہو وہ مسلمان ہی نہیں کہلا سکتا۔ جب دار آخرت مومن کا دائمی ٹھکانا ٹھہرا تو دار دنیا کی حیثیت مسافر خانہ اور سرائے کی ہوئی جہاں مسافرین رات گزارنے اور کچھ آرام لینے کے بعد وہاں سے روانہ ہو جاتے ہیں۔ اور اپنے اصلی ٹھکانے پر پہنچنے کا عزم مصمم رکھتے ہیں لہٰذا وہ کون مسافر ہو گا جو اپنے مستقر کو چھوڑ کر مسافر خانے کو اپنا وطن بنا لے گا۔ یا اپنے گھر میں اپنی کمائی محفوظ نہ کر کے مسافر خانہ میں ساری کمائی محفوظ کرتا جائے گا۔ با ایں ہمہ اگر کوئی مسافر خانے کی زیبایش و آرایش میں ہمہ تن

مشغول رہے اور ایک ایک چیز لاالکرما فرخانے کی آرائش کے لئے جتن کرتا رہے تو ایسے شخص کو پرلے درجہ کا بے وقوف نہ کہیں تو اور کیا کہا جائے گا؟۔

دنیا عند اللہ سخت ناپسند ہے

حضرت موسیٰ بن یسار فرماتے ہیں:۔ انہ بلغہ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال ان اللہ جل ثناؤہ لم یخلق خلقاً ابغض الیہ من الدنیا وانہ منذ خلقھا لم ینظر الیھا۔ (ابن ابی الدنیا، بیہقی) ان کو یہ حدیث شریف پہنچی ہے کہ حضور نبی دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل ثناؤہ نے دنیا سے زیادہ ناپسند کوئی چیز پیدا نہیں کی۔ نیز یہ کہ جب سے اس کو پیدا کیا ہے کبھی بھی اس کو نظر رحمت سے نہیں دیکھا۔" اس کی تائید ترمذی کی اس حدیث شریف سے ہوتی ہے جس میں حضور پرنور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔

لوکانت الدنیا تساوی عند اللہ جناح بعوضۃ لما سقی الکافر منھا شربۃ ماء۔ اگر دنیا کی وقعت اللہ سبحانہ کے نزدیک مچھر کے ایک پر کے برابر بھی ہوتی تو کافر کو اس کے پانی کی ایک گھونٹ بھی نہ ملتی۔"

دنیا کی محبت گناہوں کا سرچشمہ

حضرت حسن بصری فرماتے ہیں کہ حضور رسول انس وجاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:۔ حب الدنیا رأس کل خطیئۃ۔ (بیہقی) دنیا کی محبت ہی ہر گناہ کی جڑ ہے۔" مومن کے لئے

آخرت میں بے شمار نعمتیں، اعزاز و اکرام اور ہر طرح کا عیش و آرام ہے۔ اس کے باوجود اگر کوئی شخص دنیا میں کسی خطا کا ارتکاب کرتا ہے تو اس سے پتہ چلتا ہے کہ اس کے دل میں دنیا کی کچھ نہ کچھ محبت ہے جبھی تو دائمی عیش پر نظر نہ کر کے عیش فانی کے پیچھے دوڑ رہا ہے۔

دنیا کو آخرت پر ترجیح دینے کی مذمت

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور انور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: لا الہ الا اللہ تمنع العباد من سخط اللہ مالم یؤثروا صفقۃ دنیاھم علی دینھم فاذا آثروا صفقۃ دنیاھم ثم قالوا لا الہ الا اللہ ردت علیھا وقال اللہ کذبتم۔ (بیہقی)

کلمۂ لا الہ الا اللہ بندوں کو اللہ سبحانہ کی ناراضی سے روکتا رہتا ہے جب تک کہ وہ اپنی دنیا کو اپنے دین پر ترجیح نہ دیں بندے جب اپنی دنیا کو ترجیح دینا شروع کریں پھر لا الہ الا اللہ کا کلمہ اپنی زبان سے نکالیں تو یہ کلمہ ان کے منہ پر مار دیا جاتا ہے اور ارشاد باری ہوتا ہے کہ "تم جھوٹ کہتے ہو"۔ کلمۂ لا الہ الا اللہ کے معنی یہ ہیں کہ اللہ کے سوا کائنات میں کوئی بھی مستحق عبادت نہیں"۔ ایسا کہنا اس وقت تک ہی معتبر ہے کہ اللہ سبحانہ کے سوا اور کسی چیز کو خدائی منصب نہ دیا جائے۔ اور جہاں صورت حال اس کے خلاف ہو یعنی زبان سے تو لا الہ الا اللہ کہیں اور

عملاً اپنی حاجات کا مستقل مرجع اور چیزوں کو بھی سمجھتے رہیں تو ایسا عمل اقرارِ توحید کے خلاف ہوگا اور عنداللہ ایسا اقرار لسانی معتبر نہ ہوگا اسی وجہ سے ایسے زبانی جمع خرچ کو رد کر دیا جائے گا اور سنا دیا جائے گا کہ تم جھوٹ کہتے ہو۔

18
19
18. إِنَّ هَذَا لَفِي الصُّحُفِ الأُولَى 19. صُحُفِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَى

بے شک یہ لکھا ہوا ہے اگلے صحیفوں میں صحیفوں میں ابراہیم کے اور موسیٰ کے۔"

ہدایات جو کبھی منسوخ نہیں ہوئے

یعنی یہ بیان جو اوپر گزرا اگلے صحیفوں میں بھی لکھا ہوا ہے، ابراہیم و موسیٰ علیٰ نبینا وعلیہما الصلاۃ والسلام کے صحیفوں میں بھی درج تھا۔ مطلب یہ کہ دنیا کی بے ثباتی اور تزکیہ نفس کی جانب مسلسل توجہ دلائی جاتی رہی ہے اور اس سے بنی آدم کو آگاہ کیا جا رہا ہے۔ اگلی کتابوں بلکہ صحیفوں میں تک اس پر زور دیا جاتا رہا ہے اور انبیائے سابقین صلوات اللہ وسلامہ علیہم اجمعین یکے بعد دیگرے اپنے اپنے عہد میں اپنی امتوں کو متنبہ فرماتے رہے ہیں تا آنکہ آخری کتاب (قرآن کریم) اور نبی آخر الزماں علیہ صلوات اللہ وسلام الرحمان کے ذریعہ سے بھی آگاہ کر دیا گیا تاکہ اس کی اہمیت ہمیشہ لوگوں کے پیش نظر رہے اور معلوم ہو کہ یہ ہدایات و احکام کبھی منسوخ نہیں ہوئے۔ ابتدا سے یہ ہدایات جاری ہیں اور تا قیامت جاری رہیں گے۔

انَّ ھٰذا کی تفسیر اِنَّ ھٰذَا لَفِی الصُّحُفِ الْاُوْلٰی میں ھٰذا اسم اشارہ کا مشار الیہ کیا ہے اس بارے میں مفسرین کرام کے دو اقوال ہیں۔ ایک یہ کہ پورے سورۂ "سبح اسم" کی طرف اشارہ ہے۔ دوسرا یہ کہ "قد افلح من تزکی" اور اس کی ما بعد آیات کی طرف اشارہ فرمایا جارہا ہے۔ علامہ ابن کثیر نے اسی قول ثانی کو ترجیح دی ہے۔ اور یہی قول مرجح پایا جاتا ہے۔ دراصل یہ اختلاف بعض روایات پر مبنی ہے جو حضور انور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہیں۔ چنانچہ روایات ذیل سے قول اول کی تائید ہوتی ہے:

پہلی تفسیر حبرالامۃ حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں: لما نزلت ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم وموسی قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھی کلھا فی صحف ابراھیم وموسیٰ۔ (بزار، ابن المنذر، حاکم بروایت صحیحہ ابن مردویہ) جب آیہ کریمہ انّ ھذا نازل ہوئی تو حضور سید المرسلین صلوات اللہ سلامہ علیہ وعلیہم اجمعین نے فرمایا کہ یہ کل کا کل حضرت ابراہیم وموسی علیہما السلام کے صحیفوں میں بھی ہے۔" نیز حضرت ابن عباسؓ کی دوسری روایت میں اس سے زیادہ تصریح موجود ہے آپ نے فرمایا: نسخت ھذہ السورۃ من صحف ابراھیم و موسیٰ (سعید بن منصور، عبد بن حمید، ابن ابی حاتم، ابن مردویہ) یہ سورت شریفہ حضرت

ابراہیم و موسیٰ علیہما الصلاۃ والسلام سے نقل کی گئی ہے۔" اسی طرح ائمہ تفسیر کی اور بھی روایات ہیں۔

دوسری تفسیر | قول ثانی کی تائید روایات ذیل سے ہوتی ہے حضرت قتادہؒ فرماتے ہیں:۔ تتابعت کتب اللہ کما تسمعون ان الآخرۃ خیر و ابقیٰ۔ (عبدالرزاق، ابن جریر، ابن المنذر) اللہ سبحانہ کی کتابیں جو یکے بعد دیگرے نازل ہوتی رہی ہیں ان سب میں یہ مضمون ہے جیسا کہ تم (قرآن کریم میں) سُن رہے ہو کہ (دنیا کے مقابلے میں) آخرت ہی ہر طرح بہتر ہے اور آخرت ہی (دنیا کے مقابلے میں) باقی رہنے والی پائدار ہے۔" اس سے پایا گیا کہ ھذا کا اشارہ پوری سورت شریفہ کی طرف نہیں بلکہ ان آخری آیات کریمہ کی طرف ہے۔ نیز حضرت قتادہ سے یہ بھی مروی ہے:۔

ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ الآیۃ قال فی الصحف الاولی ان الآخرۃ خیر من الدنیا۔ (ابن جریر، ابن ابی حاتم) ان ھذا سے مراد یہ ہے کہ صحف اولیٰ میں یوں لکھا ہے کہ آخرت ہی دنیا سے کہیں بہتر ہے۔" حضرت حسن بصری اور حضرت ابن زید سے بھی یہی مروی ہے۔

آسمانی کتابوں اور صحیفوں کا بیان | حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں:۔ قلت یا رسول اللہ کم انزل اللہ من کتاب

قال مائة كتاب واربعة كتب انزل على شيث خمسين صحيفة و على ادريس ثلاثين صحيفة و على ابراهيم عشر صحائف و على موسى قبل التوراة عشر صحائف وانزل التوراة والانجيل والزبور والفرقان۔ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اللہ سبحانہ تعالیٰ نے کل کتنی کتابیں اتاری ہیں؟ ارشاد فرمایا کہ ایک سو چار کتابیں اتاریں۔ حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے' اور حضرت ادریس علیہ السلام پر تیس صحیفے' اور حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے' اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نزول توراۃ سے پہلے دس صحیفے۔ (یہ ایک سو کتابیں ہوئیں پھر) توریت انجیل' زبور' اور فرقان حمید' یہ چار (جملہ ایک سو چار کتابیں) اللہ سبحانہ نے نازل فرمائی ہیں۔"

عرض فقیر فقیر عرض کرتا ہے کہ حدیث شریف میں آسمانی کتابوں اور صحیفوں کی تعداد (۱۰۴) جو یہاں بتلائی گئی ہے وہ اس موقع کی مناسبت سے ہے۔ ورنہ دیگر روایات میں گنتی اور بھی بتائی گئی ہے۔ لہٰذا کسی عدد خاص پر ایمان ضروری نہیں۔ جملہ آسمانی کتابوں اور صحیفوں پر ایمان رکھنا چاہیے۔

صحف ابراہیم کے نمونے قلت یارسول الله فما كانت صحف ابراهيم قال امثال كلها ايها الملك المتسلط المبتلى المغرور لم ابعثك لتجمع الدنيا

بعضها علی بعض ولکن بعثتك لترد عنی دعوۃ المظلوم فانی لا اردھا
ولو کانت من کافر۔ وعلی العاقل سالم یکن مغلوبا علی عقله ان یکون له ثلاث
ساعات ساعة یناجی فیها ربه وساعة یحاسب فیها نفسه ویتفکر فیما
صنع وساعة یخلو فیها لحاجة من الحلال فان فی ھذہ الساعة عونا
لتلك الساعات واستجماعا للقلوب وتفریغا لها۔ وعلی العاقل ان یکون
بصیرا بزمانه مقبلا علی شانه حافظا للسانه فان من حسب کلامه
من عمله اقل الکلام الا فیما یعنیه۔ وعلی العاقل ان یکون طالبا لثلاث
مرمة لمعاش او تزود لمعاد او تلذذ فی غیر محرم۔ (حضرت ابوذرؓ کا
بیان ہے) میں نے عرض کیا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟
ارشاد ہوا کہ نصیحتیں اور مثالیں تھیں۔ مثلاً ایک نصیحت یہ تھی کہ اے بادشاہ! جو اپنے
زور سے لوگوں پر مسلط تو ہوا لیکن خود ہی بڑے امتحان میں مبتلا ہوا اور دنیا کے غرور
اور فریب میں آ گیا۔ میں نے تجھے اس لئے نہیں بھیجا کہ دنیا کو جمع کرتا جائے اور اس کا
ایک ایک حصہ جوڑ جوڑ کر رکھتا جائے۔ لیکن تجھے ہم نے اس لئے بھیجا تھا کہ کسی مظلوم کی
بددعا کو ہمارے پاس آنے نہ دے کیونکہ مظلوم کی بددعا اگرچہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو ہم
اس کو رد نہیں کیا کرتے۔ ایک نصیحت یہ تھی کہ عقلمند پر لازم ہے بشرطیکہ اس کی عقل پر دیوانگی کا

غلبہ نہ ہو کہ اس کے لیل و نہار کو تین حصوں پر تقسیم کرے۔ ایک حصہ وہ ہو جس میں وہ اپنے پروردگار سے لو لگائے رکھے۔ دعائیں کرتا رہے اور مناجات میں مشغول ہو۔ اور ایک حصہ ایسا ہو جس میں وہ اپنے نفس کا محاسبہ کیا کرے اور ماضی میں اس نے جو کچھ کیا ہے اس پر غور و فکر کرتا جائے کہ کسی کرنے کے کام کو چھوڑ تو نہیں دیا اور کسی ناکردنی کام کا ارتکاب تو نہیں کیا؟ (اگر ایسا ہوا ہے تو توبہ و استغفار سے اس کی تلافی کرے اور دوبارہ ایسا نہ کرے) اور ایک حصہ وہ ہو جس میں اپنی حاجات و ضروریات کی حلال طریقے سے تکمیل کرتا رہے۔ کیونکہ یہ آخری حصہ اور ساعت ایسی ہے کہ اس سے اوپر بیان کی ہوئی دو ساعتوں میں مدد ملتی اور اس سے جمعیت خاطر اور فارغ البالی نصیب ہوتی ہے۔ (ایک نصیحت یہ تھی کہ) عقل و ہوش رکھنے والے لازم ہے کہ اپنے زمانے کے حالات پر بصیرت رکھے اور خوب غور و تامل سے ان کا مطالعہ کیا کرے۔ اس کے حوادث کا استقبال کرتا جائے۔ اپنی زبان پر قابو رکھے۔ کیونکہ جو اپنے قول اور عمل کا موازنہ کرتا ہے اس کی باتیں کم اور عمل زیادہ ہوا کرتا ہے۔ مگر ایک کلام اس سے مستثنیٰ ہے وہ یہ کہ کلام لایعنی نہ ہو بلکہ مفید و کارآمد ہو (جیسے معلم یا ناصح کہ ان کا فریضہ ہی کلام ہے)۔ (اور ایک نصیحت یہ تھی کہ) دانشمند پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ تین چیزوں کا طلبگار رہو۔ اپنے معاش یعنی دنیوی

زندگی کی اصلاح اور معاد یعنی اخروی زندگی کے لئے زاد راہ کی تیاری اور لذت آشنا ہونا چاہتا ہی ہے تو حلال کے ذریعہ ہو۔ حرام کا اس میں شائبہ تک نہ ہو۔"

صحف موسیٰ کا نمونہ قلت یا رسول اللہ فما کانت صحف موسیٰ قال کانت عبرا کلھا عجبت لمن ایقن بالموت کیف یفرح ولمن ایقن بالموت ثم یضحک ولمن یری الدنیا وتقلبھا باھلھا ثم یطمئن الیھا ولمن ایقن بالقدر ثم ینصب ولمن ایقن بالحساب ثم لایعمل۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ ارشاد فرمایا کہ ان میں سب عبرتیں تھیں۔ مثلاً یہ کہ ہمیں تعجب آتا ہے اس شخص سے جو موت یقین رکھتا ہے پھر وہ فرحت و مسرت میں گزارتا ہے۔ موت کا یقین رکھتا ہے پھر وہ ہنستا پھرتا ہے۔ نیز اس پر تعجب آتا ہے جو دنیا کو دیکھتا ہے کہ وہ اہل دنیا کا ساتھ نہیں دیتی ان پر ایک نہ ایک انقلاب لاتی رہتی ہے پھر اسی دنیا سے سکون واطمینان حاصل کرنا چاہتا ہے۔ نیز اس پر تعجب ہے جو تقدیر پر یقین رکھتا ہے پھر دنیا بھر کی مشقتوں میں لگا رہتا ہے۔ اور اس پر بھی بڑا تعجب ہے جو یوم الحساب کا یقین رکھتا ہے پھر اس دن کام آنے والا کوئی کام نہیں کرتا۔"

صحف ابراہیم و موسیٰ کے نمونے قرآن کریم میں قلت یا رسول اللہ ھل انزل علیک شیئ مما کان فی صحف ابراھیم وموسیٰ قال یا اباذر نعم

قد افلح من تزکیٰ و ذکر اسم ربہ فصلیٰ بل تؤثرون الحیوۃ الدنیا والآخرۃ خیر و ابقیٰ ان ھذا لفی الصحف الاولیٰ صحف ابراھیم و موسیٰ (عبد بن حمید، ابن مردویہ ابن عساکر) میں نے آخر پر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! حضرت ابراہیم موسیٰ علیہما السلام کے صحیفوں میں سے کیا آپ پر بھی کچھ حصہ نازل ہوا ہے؟ تو ارشاد فرمایا کہ اے ابوذر! ہاں یہ آیات نازل ہوئی ہیں :- قد افلح من تزکیٰ سے آخر سورت تک" یعنی وہی اپنی مراد کو پہنچا جو پاک ہوا اور اپنے پروردگار کا نام لیا پھر نماز پڑھی لیکن تمھارا یہ حال ہے کہ دنیا کی دو روزہ فانی زندگی کو ترجیح دیتے ہو درحالیکہ آخرت کی زندگی ہر طرح اچھی اور برقرار رہنے والی ہے۔ یہ مضمون اگلے صحیفوں میں بھی تھا یعنی ابراہیم اور موسیٰ کے صحیفوں میں"

خلاصۂ بحث اس سے بھی معلوم ہوا کہ ان ھذا میں ھذا کا اشارہ آخری آیات کریمہ قد افلح کی طرف ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کریم جملہ کتب و صحف آسمانی کا جامع خلاصہ اور مزید مضامین، احکام اور ہدایات پر مشتمل ہے۔ بعض مفسرین کرام نے اس حدیث شریف کو ضعیف اور بعض نے اس کی صحت کی نسبت لا ادری ظاہر کیا ہے لیکن امام المفسرین ابن جریر طبری اور علامہ ابن کثیر وغیرہما نے ھذا کا اشارہ ان آخری آیات کریمہ کی طرف ہونے کو مرجح بتلایا ہے۔ کیونکہ اس کی تائید قرآن کریم کی آیات ذیل سے ہوتی ہے :- ام لم ینبأ بما فی صحف موسیٰ و ابراھیم الذی وفیٰ

الا تزر وازرۃ وزر اخریٰ، وان لیس للانسان الا ما سعیٰ، وان سعیہ سوف یریٰ، ثم یجزٰیہ الجزآء الاوفیٰ، وان الی ربک المنتھیٰ۔ کیا اس انسان کو خبر نہیں دی گئی ان ہدایات کی جو موسیٰ اور ابراہیم کے صحیفوں میں لکھی ہیں یہ وہ ابراہیم جنھوں نے اللہ سبحانہ کے کلمات کی پوری پوری طرح تکمیل کی۔ وہ لکھا یہ ہے کہ ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھائے گا۔ اور یہ کہ انسان کو کچھ نہیں ملیگا بجز اس کے کہ خود اس نے سعی کی ہو اور اس کی سعی کا نتیجہ عنقریب دکھائی دیگا، پھر اس کی پوری پوری جزا اسکو ملیگی۔ اور یہ کہ آپ کے پروردگار کے طرف ہی ہر چیز کی انتہا ہے۔" ان دونوں جگہ کی آیات کریمہ کو ملا کر دیکھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ایک ہی متکلم کا کلام ہے جو حضرت ابراہیمؑ و موسیٰؑ کے صحیفوں میں وہ کلام بھی تھا اور یہ بھی ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

سورہ سبح اسم کی تفسیر ختم ہوئی۔ الحمد للہ والمنۃ، والصلاۃ والسلام علیٰ رسولہ سید الامۃ، وعلیٰ آلہ واصحابہ جمعہ۔

۲۵ جمادی الاولیٰ ۱۳۸۰ھ روز سہ شنبہ